© rasailojaraid.com

نظرات

یوں تو مدارس عربیہ برصغیر ہند و پاک میں چپہ چپہ پر پھیلے ہوئے ہیں، لیکن مرکزی درسگاہیں جو بین الاقوامی شہرت وعظمت رکھتی ہیں، دو ہی ہیں، ایک دارالعلوم دیوبند اور دوسرا دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ دنیا میں کوئی تعلیم، خواہ دینی ہو یا دنیوی اپنے عہد کے حالات اور سوسائٹی کی ضرورتوں اور رجحانات سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ اور اگر کوئی تعلیم ایسی ہے تو اس کو زندہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ اور وہ اس شعر کا مصداق ہوگی۔

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میّت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

اسی بنا پر دیوبند اور ندوہ دونوں اپنے عہد کی دو عظیم الشان تحریکیں اور دین اور علوم اسلامیہ کی طرف سے ان حالات کا جواب تھیں جو ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر میں اور اس سے پہلے یا اس کے بعد سے پورے عالم اسلام میں پیدا ہو رہے تھے اور دنیا جانتی ہے کہ اس حیثیت سے ان دونوں درسگاہوں کا یہ عہد کس درجہ عظیم الشان اور کامیاب رہا ہے، اس عہد میں دیوبند اور ندوہ کی دینی اور اسلامی خدمات اسلامیانِ برصغیر ہند و پاک کی گذشتہ ہشتصد سالہ تاریخ کا وہ روشن باب ہیں جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن ۱۹۴۷ء پر یہ عہد ختم ہوگیا اور اب ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس میں ملکوں کی آزادی وخود مختاری، علوم و فنونِ جدیدہ کی گرم بازاری، سائنس اور ٹکنالوجی کی معجز نمائیاں، سماجی اور اقتصادی حالات میں بحران و تلاطم اور ان سب کے زیر اثر انسانی افکار و خیالات میں حشر سامان مد و جزر جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی زد سے اسلام محفوظ نہیں رہ سکتا تھا، یہ سب کاروان درکارواں اس دورِ جدید کے جلو میں تھے، اس بنا پر مصلحت شناسی اور دور اندیشی کا تقاضا تھا کہ دیوبند و ندوہ یہ محسوس کرتے کہ بحیثیت ایک تحریک کے ان دونوں کا عہد ختم ہوگیا اور اب اگر ان کو زندہ رہنا ہے اور یقیناً رہنا ہے تو ان کو دورِ جدید کے حالات و مقتضیات کے پیش نظر کم و کیف کے اعتبار سے اپنی تنظیم و تعمیر نو اور تشکیلِ جدید کرنی ہے، یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایک طرف عرب و عجم کی حد بندیاں ختم ہوگئی ہیں اور دوسری جانب علوم قدیمہ و جدیدہ کے درمیانی فاصلے کم ہوگئے ہیں اور مشرق و مغرب کی زبانیں باہم گر بغلگیر ہو رہی ہیں، اس بنا پر دینی اور اسلامی علوم و فنون کی کسی ذمہ دار اور بلند مرتبت درس گاہ کی کوئی تنظیم و تعمیرِ جدید اس وقت تک پائدار، مضبوط اور توانا نہیں ہوسکتی جب تک اس کی بنیاد دورِ جدید کے ان مختصات و ممیزات کے قوی احساس پر نہ ہو۔

دیوبند کی حیثیت ندوہ کے مقابلہ میں ایک برادرِ بزرگ کی ہے، کیونکہ یہ قد و قامت اور سن و سال میں ندوہ سے بڑا ہے، ۱۳۲۸ھ میں اس کا نہایت عظیم الشان جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا تھا جس نے دیوبند اور علی گڑھ دونوں کو ایک ڈائس پر لا بٹھایا تھا اور پورے ملک میں اس کا غلغلہ برپا ہوگیا تھا۔ اور ۱۹۱۲ء میں ندوہ کا ایک نہایت عظیم الشان جلسہ لکھنؤ میں ہی ہوا تھا جس کی صدارت کے لئے علامہ رشید رضا صاحب المنار مصر سے تشریف لائے تھے۔ اس جلسہ نے سارے ملک کی نگاہیں ندوہ پر مرکوز کردی تھیں۔ دیوبند نے اپنی عمر کے سو برس اور ندوہ نے ایک پون صدی پوری کرلی۔ حالات اور تنظیم نو کی ضرورت کا تقاضا تھا کہ جشن سیمین کے نام سے ان کا ایک عالمی جلسہ منعقد کیا جاتا، دیوبند تو ابھی تک تجویز اور اندیشۂ سود و زیاں کے مرحلہ میں ہے، لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ ندوہ نے پہل کردی ہے اور جیسا کہ اخبارات و اعلانات سے معلوم ہوا ہوگا۔ اکتوبر میں یہ جشن منعقد ہو رہا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ندوۃ العلماء کی بیرونی ممالک اور خصوصاً عرب ممالک میں جو شہرت و عظمت ہے، اور پھر مولانا سید ابو الحسن علی میاں کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی غیر معمولی علمی، تعلیمی اور دینی خدمات اور بے لوث و بے غرض شخصیت کے باعث عرب ممالک میں جو مقبولیت اور ہردلعزیزی عطا فرمائی ہے اُس کی وجہ سے امید قوی ہے کہ ندوہ کا یہ جشنِ سیمیں نہ صرف ندوہ کے لئے، بلکہ مسلمانانِ ہند کے لئے تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوگا۔ اور اس سے بڑے اہم نتائج پیدا ہوں گے۔ ہندوستان کی مختلف اسلامی جماعتوں اور اداروں میں اس سے اتحاد اور اشتراکِ عمل کی راہ ہموار ہوگی اور دوسری جانب عرب ملکوں کے مسلمانوں اور یہاں کے مسلمانوں میں روابط استوار ہوں گے، اور ندوہ کی تعمیر و تنظیم جدید سے دینی اور اسلامی علوم و فنون کی تعلیم میں نئی زندگی اور نئی روح پیدا ہوگی، اس لئے ہم اس تجویز کا بڑی مسرت اور خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی بہمہ وجوہ کامیابی کے لئے دعاگو ہیں۔

جیسا کہ ہم نے ندوۃ العلماء میں اپنی حالیہ تقریر (یہ تقریر جوں کی توں "تعمیرِ حیات" میں شائع ہو چکی ہے) کہا تھا کہ دیوبند ہو یا ندوہ آج مدارس عربیہ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ طلباء میں عموماً نہ غیرتِ دینی ہے اور نہ ذوقِ علمی، وہ اپنے اور اپنے علوم و فنون سے متعلق احساسِ کمتری و بے تمیزی میں مبتلا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے یہ احساسِ کمتری سو بیماریوں کی ایک بیماری ہے، اس احساس کے اسباب خارجی ہیں اور داخلی بھی، جہاں تک خارجی اسباب کا تعلق ہے ان کی اصلاح ہماری دسترس سے باہر ہے، البتہ داخلی اسباب جن کا تعلق اساتذہ کی سیرت نصابِ تعلیم، اور مدارسِ عربیہ کے ماحول (جس میں طلباء کی ذہنی اور اخلاقی و دینی تربیت کا اہتمام نہیں ہوتا) سے ہے ان کی اصلاح ہمارا فرض ہے، اس بناء پر ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ تنظیم و تعمیر کے اس موقع پر ان باتوں کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا ابوالحسن علی میاں (اطال اللہ بقاءہٗ) نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں، امید ہے کہ ان کی ہمت اور حوصلہ کے سہارے ندوہ کا یہ جشن سیمیں جس میں پانچ چھ لاکھ روپیے کے خرچ کا اندازہ ہے بہمہ وجوہ کامیاب رہے گا، لیکن ہندوستان کے ارباب خیر مسلمانوں کو بھی اس موقع پر اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیئے، بیرون ہند سے جو حضرات اس میں شریک ہوں گے وہ صرف ندوہ کے نہیں بلکہ ہندوستان کے سب مسلمانوں کے مہمان ہوں گے جن کی کماحقہ ضیافت اُن کا فرض ہے، اس سلسلہ میں مولانا کی اپیل اخبارات میں شائع ہو رہی ہے، امید ہے کہ مسلمان اس اپیل کا خاطر خواہ اثر لیں گے اور ارباب ندوہ سے دامے، درمے، قدمے ہر ممکن تعاون کریں گے۔

فہم قرآن

مولفہ: مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے

قرآن مجید کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور قرآن پاک کا صحیح منشاء معلوم کرنے کے لئے شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال کا معلوم کرنا کیوں ضروری ہے؟ احادیث کی تدوین کس طرح ہوئی؟ کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے سوانح حیات اور محدثین کرام کی بے لوث خدمات علم و مذہب کو بھی نکھرا انگیز پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔

صفحات ۲۰۰ قیمت مجلد

ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

© rasailojaraid.com